SEMESTER 4 MA.URDU

EC-1(A) Unit 3 AKHTARUL IMAN KI SHAIRI

Presented by. Dr.Shahab Zafar Azmi

Associate Professor,Department ofUrdu,

PatnaUniversity.Patna.Mob;8863968168Email;drshahabzafar.azmi@gmail.com

سبق کے خدوخال

مطالعہ کا مقصد

موضوع کا تعارف

اختر الایمان کے سوانحی حالات

اختر الایمان کا عہد اور ذہن کے تشکیلی اثرات

اختر الایمان کی نظم نگاری کے امتیازات

اختر الایمان کی چند اہم نظموں کا خصوصی مطالعہ

(مجموعہ کلام یادیں کے حوالے سے)

اختر الایمان کے بارے میں چند اہم معاصرین کی آراء

مشق کے لئے سوالات

مزید مطالعہ کے لئے کتابیں

مطالعہ کا مقصد :

اس مطالعے کا مقصد دور حاضر کے اہم نظم گو شاعر اختر الایمان کی شاعری کے امتیازات واضح کرنا ہیں۔ چونکہ ان کا

مجموعۂ کلام ''یادیں'' کئی جہتوں سے ان کا نمائندہ کلام سمجھا جاتا ہے اس لیے بیشتر باتیں اسی کے حوالے سے کہی جائیں گی۔ مگر ان میں بیشتر ایسے نکات مثالوں سے واضح ہو جائیں گے جو ان کی دوسری نظموں پر بھی صادق آتے ہیں۔ اس طرح اختر الایمان کی نظم نگاری کا ایک مسبوط مطالعہ ہمارا مقصد ہوگا۔

موضوع کا تعارف :

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر کئی نوجوان شعراء نے نظم نگاری کی طرف توجہ دی۔ ان میں ایک اختر الایمان بھی تھے جنہوں نے صرف دس بارہ برسوں کے اندر اپنی ایک پہچان بنالی اور ۱۹۴۷ء کے آس پاس ایک منفرد نظم گو شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ حالانکہ ان کا پہلا مجموعہ کلام ''گرداب'' ۴۴۔۱۹۴۳ء میں منظر عام پر آچکا تھا مگر شہرت انہیں ''تاریک سیارہ'' اور ''سب رنگ'' کی اشاعت کے بعد ہی ملی۔ یہاں تک کہ آزادی وطن کے بعد وہ ترقی پسندوں کی راہ اختیار کرنے والوں کے ساتھ چلنے کے باوجود اپنی ایک الگ راہ نکالنے والوں میں شمار ہونے لگے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب غزل گوئی کو ترقی پسند عام طور سے پسند نہیں کرتے تھے۔ گرچہ مجروح سلطان پوری اور سردار جعفری جیسے شعراء نے غزلیں بھی کہیں ہیں مگر عام طور سے نظم نگاری کی طرف توجہ دی جانے لگی تھی اور شاعروں کی ایک بری تعداد موضوعاتی نظمیں کہہ رہی تھی۔ غور کیا جائے تو اس بڑی تعداد میں سرفہرست علی سردار جعفری تھے اور اختر الایمان نہ صرف ان کے ہم عصر ہیں بلکہ فکری وفنی سطح پر ان سے کسی حال میں کمتر نہیں۔ ایسے میں ان کا مطالعہ ایک پورے عہد کی نظم نگاری کا مطالعہ بن جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دونوں کی راہیں خاصی الگ رہی ہیں اور ناقدوں کا یہ بھی ماننا ہے کہ سردار جعفریؔ کی شاعری میں گھن گرج اور ہنگامہ آرائی کے سبب فنی کمزوریاں موجود ہیں۔ جب کہ اختر الایمانؔ کی شاعری میں فنّی اعتبار سے زیادہ توانائی ہے۔ بہر حال، اختر الایمان نے چونکہ صرف نظمیں ہی کہیں ہیں، اس لیے ان کا مطالعہ تقابلی اعتبار سے کرنا درست ہوگا۔ یہ تقابل دو سطحوں پر ممکن ہے، ایک تو ان ہی کی مختلف نظموں کا ایک دوسرے سے مقابلہ ممکن ہے، دوسرے اپنے ہم عصر نظم نگاروں کے ساتھ ان کا تقابلی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ان کی نظم نگاری کے امتیازات واضح ہوسکیں گے۔ یہاں یہ وضاحت جروری ہے کہ کسی بھی فنکار کی ذہنی تشکیل میں اس کی وراثت اور عصری منظر نامے دونوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ایسے میں اختر الایمان کی ذہنی تشکیل کا جائزہ لینے سے قبل مختصراً ان کے سوانحی حالات اور اپس عہد کے ادبی منظر نامہ سے واقفیت ضروری ہے۔

اختر الایمان کے سوانحی حالات :

اختر الایمان کی زندگی کے بہت سارے گوشوں پر ابھی بھی پردہ پڑا ہوا ہے۔ مگر ان سے لئے گئے مختلف انٹرویوز،

مجموعوں کے پیش لفظ اور خودنوشت کے وسیلے سے ان کے جو سوانحی حالات سامنے آتے رہے ہیں ان کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا زیادہ دشوار نہیں کہ ان کی زندگی سوز وساز و درد و داغ و جستجو و آرزو کا ایک ایسا سلسلہ ہے جس میں ایک عرصے تک بے بسی اور مجروی کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انتہائی ناساعد حالات کا سامنا کرنے کے باوجود بحث سے جوانی تک ان کی فکر کبھی منفی نہیں رہی۔

اختر الایمان کی ولادت اتر پردیش کے ضلع بجنور میں ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء کو قلعہ پتھر گڑھ میں ہوئی۔ یہ معمولی سا چھپر نما پھونس کا مکان جوان کا نانیہالی مکان تھا، قصبہ نجیب آباد کے قریب واقع تھا۔ ان کے نانا کا نام اللہ رکھا تھا۔ ان کی دادیہال اتر پردیش کی ہی ایک اور چھوٹی سی بستی راؤ کھیڑی ہے جو مسلمان راجپوتوں کی بستی مشہور تھی۔ ان کے دادا کا نام اقبال راؤ تھا مگر وہ عام طور سے بالے راؤ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے آباواجداد نومسلم تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے باوجود اپنا آبائی پیشہ یعنی تجارت ترک نہیں کیا تھا۔ ان کے دادا بالے راؤ بھی کپڑے کی تجارت سے وابستہ تھے اور انہوں نے گڑھوال میں کپڑے کی ایک چھوٹی سی دوکان کھولی تھی۔ ان کے انقال کے وقت کے والد یعنی فتح محمد کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ گرچہ ان میں بڑی خوبیاں تھیں اور اچھی صلاحیتوں کے مالک تھے، حافظ قرآن تھے، عربی فارسی اور اردو پر اچھی دسترس رکھتے تھے اور خوش اخلاق بھی تھے مگر طبیعت میں استقلال کی کمی تھی اور ضد کی فراوانی اس لیے زیادہ دنوں تک نہ تو کسی جگہ قیام کرتے تھے نہ کوئی پیشہ مستقل طور پہ اختیار کر پاتے تھے۔ ایسے میں مالی پریشانیوں میں مبتلا ہونا بھی ناگزیر تھا۔ خود اختر الایمان نے اس صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ''سروسامان'' کے دیباچے میں لکھا ہے :

> ''میرے والد کا نام حافظ فتح محمد ہے۔ پیشے کے اعتبار سے وہ مولوی تھے۔ انہیں پنجاب کے دیہات نہایت پسند تھے۔ کسی گاؤں کی مسجد میں امامت کرتے تھے۔ وہاں ایک مکتب کھول لیتے تھے جہاں بستی کے ہر عمر کے لڑکے لڑکیاں پڑھنے آتے تھے اور کچھ دن بعد وہ بستی چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے تھے۔ اس لحاظ سے میں اپنے کو ہمیشہ خانہ بدوش سمجھتا رہا ہوں۔''

ظاہر ہے کہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف ہجرت کرتے رہنے کا کرب بھی کچھ کم نہ تھا۔ اس پر اپنے آبائی وطن کو چھوڑنے کا بھی غم تھا جو انہیں ہمیشہ بے چین رکھتا تھا۔ کرب اور بے بسی کی اس کیفیت نے اختر الایمان کے لاشعور میں ایک مستقل جگہ بنالی اور زندگی کی سختیوں کا احساس انہیں بہت کم عمری میں ہی ہونے لگا۔ اپنے بچپن کے اس ماحول اور اس کی پروردہ حرماں یفسی کا بیان ان کی مختلف نظموں میں براہ راست یا بالواسطہ طور پہ ملتا ہے۔ اس طرح کی نظموں میں ''یادیں'' اور ''ایک

لڑکا'' نمایاں ہیں۔ ''ایک لڑکا'' کے حوالے سے انہوں نے خودی ''یادیں'' کے پیش لفظ میں دکھا ہے :

''مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے اور یہ واقعہ بھی اس نظم کا محرک ہے۔ ہم ایک گاؤں سے منتقل ہو کر دوسرے گاؤں جا رہے تھے۔ اس وقت میری عمر تین چار سال کی ہوگی۔ ہمارا سامان ایک بیل گاڑی میں لادا جا رہا تھا اور میں اس گاڑی کے باہر کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ میرے چہرے پر کرب اور بے بسی تھی۔ اس لیے کہ میں اس گاؤں کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں؟ یہ بات میں اس وقت نہیں سمجھتا تھا۔ اب سمجھتا ہوں۔ وہاں بڑے بڑے باغ تھے باغوں میں کھلیان پڑتے تھے۔ کوئلیں کوکتی تھیں، پپیہے بولتے تھے۔ وہاں جوہڑ تھے، جوہڑ میں نیلوفر اور کنول کھلتے تھے۔ وہاں کھیتوں میں ہرنوں کی ڈاریں کلیلیں کرتی نظر آتی تھیں۔ وہاں وہ سب تھا جو ذہنی طور پر مجھے پسند ہے۔ مگر وہ معصوم لڑکا اس گاڑی کو روک نہیں سکا۔ میں اس گاڑی میں بیٹھ کر آگے چلا گیا مگر وہ لڑکا وہیں کھڑا رہ گیا۔''

اس بیان میں ایک طرف تو اختر الایمان کے بچپن کا ماحول اور منظر موجود ہے اور دوسری طرف قدرتی مناظر اور پرسکون معصومیت سے ان کی ذہنی وابستگی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ ان کا یہ اعتراف کہ وہاں وہ سب کچھ تھا جو انہیں ذہنی طور پہ اچھا لگتا تھا۔ کہ آج بھی وہ ان چیزوں کے شیدائی ہیں مگر ان دنوں یہ چیزیں انہیں لاشعوری طور پہ اچھی لگتی تھیں جب کہ آج وہ عقل اور منطق کے سہارے اس ماحول کو بہتر سمجھ رہے ہیں۔ شاید اسی لیے وہ معصوم لڑکا آج بھی اسی بے ریا اور معصوم ماحول میں کھڑا ہے جہاں سے کل ایک گاڑی میں اختر الایمان نے تجرت اختیار کی تھی۔ اور آج جب اختر الایمان آلودگیوں میں گھر چکا ہے تو اجنبیت کے ایک عجیب وغریب احساس کے ساتھ وہ لڑکا بار بار یہ سوال پوچھتا ہے کہ ___ ''اختر الایمان تم ہی ہو؟'' ___ یعنی کل کیا تھے اور آج کیا ہو گئے تم کا معاملہ ہے۔ پوری نظم نقل کرنے کی شاید ضرورت نہیں مگر چند ایسی سطریں نقل کرنے کا دل چاہتا ہے جن سے اختر الایمان کے بچپن کی زندگی اور ان کی پسند و ناپسند کا آسانی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ دیکھئے :

دیا شوق کی آبادیوں کے اونچے ٹیلوں پر
کبھی آموں کے باغون میں کبھی کھیتوں کی مینڈوں
پر
کبھی جھیلوں کے پانی میں کبھی بستی کی گلیوں میں
کبھی کچھ نیم عریاں کم سنوں کی رنگ رلیوں میں

ہوا میں تیرتا خوابوں مین بادل کی طرح اڑتا
پرندوں کی طرح شاخوں میں چھپ کر جھولتا مڑتا
مجھے اک لڑکا، آوارہ منش،آزاد، سیلانی
مجھے اک لڑکا، جیسے تندچشمون کا رواں پانی
نظر آتا ہے، یوں لگتا ہے، جیسے یہ بلائے جاں
مرا ہمزاد ہے، ہر گام پر ہر موڑ پر جولاں

یہ تو بچپن کا ابتدائی زمانہ تھا جو عام طور پر کھیلنے کودنے کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔اس زمانے میں اختر نے بے چارگی اور بے بسی کا پہلا سبق پڑھا مگر اس کے بعد یہ سبق ان کی زندگی کی کتاب کا ایک مستقل جزو بن گیا۔زندگی ان پر کئی طرح سے نامہربان رہی۔ پہلا مرحلہ وہ تھا جب والدین کی محبت انہیں بھرپور انداز سے نہیں مل پائی چونکہ ان کے والد اور والدہ کی طبیعتوں میں بہت فرق تھا۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے والد کی نگرانی میں شروع کی اور دینی تعلیم کے راستے پر چل کر تقریباً اٹھارہ بیس پارے حفظ بھی کئے مگر سنگھ مدرسہ میں ان کے والد زیادہ دنوں تک نہیں رہے اور ان کا داخلہ بھی ایک سرکاری مڈل اسکول میں کرادیا گیا جو پرانے مدرسے کافی دور تھا۔ پھر والد انہین ماں کے پاس چھوڑ کر خود کسی دوسری جگہ چلے گئے۔اب اختر الایمان ے لیے شب وروز اور بھی سخت ہوگئے اور بقول رفعت سلطانہ پیسے کی اس قدر تنگی ہونے لگی کہ ان کی والادہ نے گائیں اور بھینسیں پال لیں اور دودھ بیچنا شروع کردیا۔اسی دوران ان کے والد نے دوسری شادی کرلی اور والدین کے درمیان ہونے والے رات دن کے جھگڑوں نے ان کا تعلیمی سلسلہ تقریباً ختم کردیا۔اختر نے اس زمانے کے واقعات کو بھی سروسامان کے پیش لفظ میں لکھا ہے اور یہ اعتراف کیا ہے کہ آخر کار وہ تنگ آکر گھر سے کچھ پیسے چرا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ۱۹۳۰ء کے آس پاس دہلی پہنچ گئے۔وہاں وہ ۱۹۳۴ء تک رہے اور یہاں کا ماحول انہیں مدرسے کے اردگرد پھیلی ہوئی جہالت اور گندگی کے مقابلے میں بہت اچھا لگا۔کھانا بھی اچھا ملتا تھا۔بہرحال یہاں کے قیام کے دوران ہی اختر نے اچرار بھی کہنے شروع کردیئے تھے۔بالآخر انہوں نے یتیم خانے کی زندگی کو خیرباد کہہ کر محض اپنی خواہش اور حوصلے کی بنیاد پر فتح پوری مسلم ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور یہیں سے ۱۹۳۷ء میں میٹرک پاس کیا۔ پھر والد کی شدید مخالفت کے باوجود انہوں نے اینگلو عربک کالج دہلی سے بی۔اے۔کیا۔اس کے لیے انہیں پرائیوٹ ٹیوشن اور دوسرے کام کرنے پڑے۔ یہاں جمیل الدین عالی ان کے ساتھ زیر تعلیم تھے۔انہوں نے اس زمانے کے حالات پر ایک خاکہ لکھا ہے جس سے اس عہد کے اختر الایمان کی شخصیت کے کئی روپ سامنے آتے ہیں۔اس کے بعد کیا ہوا یہ خود

اختر الیمان کی زبان سے سنئے۔'یادیں' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں :

''عربک کالج سے بی۔اے۔کرنے کے بعد ایشیا کی ادارت کے سلسلے میں میرٹھ چلا گیا۔ادارت کے ساتھ فارسی میں میرٹھ کالج میں داخلہ بھی لے لیا لیکن چار پانچ مہینہ بعد واپس آ گیا۔دلی چھوڑنا میرے لیے بہت مشکل تھا۔ یہاں آ کر سپلائی ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت کر لی۔مگر ایک مہینہ بعد اسے بھی چھوڑ دیا اور ریڈیو اسٹیشن پر ملازم ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد ریڈیو کی ملازمت بھی چھوٹ گئی۔ میں نے تعلیم کا سلسلہ پھر سے شروع کرنے کا ارادہ کیا اور ایم۔اے۔ کے لیے علی گڑھ یونیورسٹی میں چلا گیا۔علی گڑھ سے پونا آ گیا اور فلم کے لیے لکھنے کا پیشہ اختیار کر لیا جس سے آج تک بھی متعلّق ہوں۔''

فلمی دنیا سے وابستگی کے بعد اختر الایمان کو شہرت بھی زیادہ ملی اور دولت بھی۔گرچہ یہاں کا ماحول انہیں کبھی پسند نہیں رہا مگر ان کی محنت نے انہیں آسودگی ضرور دی اور وہ آرام و آسائش کی زندگی گزارتے رہے۔

اختر الایمان کی پہلی شادی صرف چھ سال کی عمر میں کر دی گئی تھی۔ وہ ایک ان پڑھ اور دیہاتی لڑکی تھی جس کے ساتھ اختر کبھی رہے نہیں مگر ہمدردی کے جذبہ کے تحت اسے طلاق بھی نہیں دی۔ ۱۹۴۷ء میں ان کی دوسری شادی سلطانہ منصوری سے ہوئی جو نہ صرف یہ کہ ایک خوبصورت اور خوش اخلاق خاتون تھیں بلکہ تعلیم یافتہ بھی تھیں اور ایک خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ان کے ساتھ نصتر کی ازدواجی زندگی بے حد پرسکون گزری اور ان سے ایک لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں جن کے نام حسب ترتیب راشد، رسماء، شہلا اور رخشندہ ہیں۔

اختر الایمان کو وراثت میں کوئی ادبی ماحول نہیں ملا۔ وہ چھ بھائی بہن تھے حق میں اختر سب سے بڑے تھے۔گھر میں ہی نہیں بلکہ گردوپیش میں بھی کوئی ادبی ماحول نہیں تھا۔ایسے نہیں ان کی شعر گوئی کا آغاز کس طرح ہوا یہ بھی ایک دلچسپ امر ہے۔مدرسہ موید اسلام کے دو اساتذہ عبدالعمد اور عبدالواحد نے ان کی حوصلہ افزائی کی مگر یہ سلسلہ اصل میں اشفاق نام کے اس شخص کا کلام سن کر شروع ہوا جو دلی کی گلیوں میں اپنا کلام گا گا کر بیچا کرتا تھا۔انہوں نے خود ہی اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ابتدا میں انہوں نے روایتی انداز کی شاعری کی اور کچھ دنوں تک افسانہ نگاری بھی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے فسانے ملک کے اہم رسالوں مثلاً ''ادب لطیف''، ''ساقی'' اور ''ہمایوں'' وغیرہ میں شائع ہوئے۔مگر ان کا تخلیقی ذہن مطمئن نہ ہو سکا اور آخر کار انہوں نے نظمیں کہیں وہ ان کو یاد نہیں رہیں مگر جس نظم کو ان کی نظم نگاری کا آغاز سمجھنا چاہئے وہ ''نقش پا'' ہے۔اس کے بارے میں لکھتے ہیں :

''ایک مدت گزر گئی، لکھنا لکھانا ختم ہو گیا، پھر ایک دن ایک نظم کہی۔ عنوان تھا ''نقش پا'' اس نظم کے محرک تھے فیروز شاہ کوٹلے کے کھنڈر۔ یہ نظم میری موجودہ شاعری کا آغاز تھی۔''

''نقش پا'' کے بعد اخترؔ کی نظم نگاری کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا اور جلد ہی ان کے پاس نظموں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ اس ذخیرے میں سے ن۔م۔راشد اور میراجی کے مشورے سے کچھ نظموں کا انتخاب کر کے انہوں نے ''گرداب'' کے نام سے ۱۹۴۳ء میں شائع کیا۔ اس کے بعد ان کی درج ذیل تخلیقات منظر عام پر آئیں :

(الف) سب رنگ پہلی بار ۱۹۴۷ء (ب) تاریک سیارہ پہلی بار ۱۹۴۶ء (ج) آب جو۔ پہلی بار ۱۹۵۹ء (د) یادیں۔ ۱۹۶۱ء (ہ) بنت لمحات۔ پہلی بار ۱۹۶۹ء (و) نیا آہنگ۔ پہلی بار ۱۹۷۷ء (ز) سروسامان۔ پہلی بار ۱۹۸۳ء (ح) زمین زمین ۱۹۹۰ء (ۃ) زستاں سرد مہری کا ۱۹۹۷ء (ی) کلیات اختر ۲۰۰۰ء

یہاں دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کر دینا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اختر الایمان ایک اچھی تخلیقی صلاحیت کے ساتھ ساتھ ناقدانہ صلاحیتون سے بھی بہرہ ور رہے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی کہی ہوئی نظموں پہ نظر ثانی بھی کی ہے۔ ''زمین زمین'' کے پیش لفظ میں انہوں نے خود ہی لکھا ہے کہ جب کوئی نظم مکمل ہو جاتی ہے تو اسے کچھ دنوں کے لیے رکھ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی تفصیلات ذہن سے محو ہو جاتی ہیں۔ پھر انتہائی غیر جانب دارانہ انداز مین اس کا جائزہ لے کر ترمیم واضافہ کرنا مکمل ہو جاتا ہے۔ دوسرا نکتہ ان کے دو معاصر شعراء ن۔م۔راشد اور میراجیؔ کے ساتھ ان کی دوستی سے متعلق ہے۔ عام طور سے یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ اخترؔ نے ان لوگوں کی گہری دوستی کے سبب ان سے اثرات قبول کئے یں۔ مگر انہوں نے خود ہی اس خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ریڈیو کی ملازمت مین ہونے کے سبب وہ لوگ دوست ضرور تھے لیکن اس دوستی اور ہمہ وقتی ساتھ کا میری شاعری سے کوئی واسطہ نہیں۔ خاص طور پر یہ بات بالکل غلط ہے کہ میراجیؔ کے اثرات ان کی شاعری پہ ہیں۔ چونکہ دونوں کے مزاج اور نقطۂ نظر میں بہت فرق ہے۔

اختر الایمان کو ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں کئی ادبی ایوارڈز اور اردو اکادمیوں کے انعامات حاصل ہوئے۔ ان میں سب سے اہم ''ساہتیہ اکادمی ایوارڈ'' برائے ۱۹۶۲ء ہے جو ان کی کتاب ''یادیں'' کے لیے دیا گیا تھا۔ انہوں نے کئی غیر ملکی سفر کئے اور ان کی زندگی میں ہی دہلی اردو اکادمی کی جانب سے ان پر ایک سے محانار منققد ہوا تھا جس میں پروفیسر محمد حسن، پروفیسر قمر رئیس، شمیم حنفی، رفعت سروش، ڈاکٹر صادق ابوالکلام قاسمی، ڈاکٹر عتیق اللہ، کمال احمد صدیقی، شہاب جعفری، صدیق الرحمٰن قدوائی، عظیم الشان صدیقی اور ش۔نصتر کے علاوہ امریکہ سے آئے ہوئے مہمان شاعر اعجاز احمد اور سوویت ادیب سرگائی

سنجا چوف نے بھی شرکت کی تھی۔ مارچ ۱۹۹۶ء میں ان کے انتقال کے ایک سال بعد ان کی شکصیت اور شاعری سے متعلق لکھے گئے تقریباً ایک درجن مضامین کا مجموعہ منتخب کلام ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی سے ''اختر الایمان مقام اور کلام'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے جس کے مرتب ڈاکٹر محمد فیروز ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی شاعری اور شخصیت سے متعلق درج ذیل کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں :

(الف) اختر الایمان عکس اور جہتیں از شاہد ماہلی۔ ۲۰۰۰ء دہلی

(ب) اختر الایمان تفہیم و تشخص از ڈرکٹر خواجہ نسیم اختر۔ ۲۰۰۳ء کلکتہ

(ج) اختر الایمان کی نظم نگاری از ڈاکٹر شمشاد جہاں۔ ۲۰۰۶ء دہلی

اختر الایمان کی شخصیت کا سب سے اہم پہلو انسانی دردمندی کے جذبے سے عبارت ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو ان کی انفرادی شخصیت اور شاعری کی بنیاد ہے۔ اختر الایمان کے بیانات پر اعتبار کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ابتدا سے ہی کمزوروں مظلوموں اور محروموں کے لئے برسر پیکار رہے ہیں۔ پھر جب انہوں نے ممبئی کی رہائش اختیار کی ہے تو انسانیت کے زخم زیادہ واضح طور جپر ان کے سامنے آئے ہیں اور انہوں نے ان زخموں کی آئینہ داری میں کوئی کوتاہی نہیں کی اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اختر الایمان کی خارجی اور داخلی زندگی بڑی حد تک ایک دوسرے سے ہم آہنگ دکھائی دیتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ترقی پسند تحریک کے بعض پہلوؤں سے اپنی ذہنی قربت کے باوجود انہین پوری طرح ترقی پسند نہیں کہا جاسکتا۔ چونکہ وہ ابتدا سے ی ایک خاص طرز فکر کے مالک رہے ہیں جو ترقی پسند ہوتے ہوئے بھی انفرادیت رکھتا ہے۔

اکتر الایمان کا عہد اور ذہن کے تشکیلی اثرات :

اختر الایمان کی ذہنی تشکیل میں ان کے عہد کا نمایان رول رہا ہے۔ اس عہد کو ہم دو حصو میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک تو وہ زمانہ ہے جس سے وہ اپنی نوعمری کے دنوں میں دوچار ہے۔ گاؤں میں کس مپرسی کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہوئے، یتیمی کے انداز میں مدرسے کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے، انہوں نے معاشی بدحالی اور تنگ دستی کا وہ عہد دیکھا جو اپنی مثال آپ تھا۔ دوسری طرف وہ عام حالات تھے جو ان کے معاشرے کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھے۔ جنگ عظیم اور اس ک تباہ کاریاں، اخلاقی قدروں کا زوال، ملک کی بدلتی ہوئی سیاسی وسماجی صورت حال، مذہب کا استحصال اور عام انسانوں کے ساتھ ساتھ فنکاروں کی بے بسی و بے حسی، سرمایہ داروں کی سازش، دنیا بھر میں اسلحوں کی دوڑ کے سبب ایک عام جنگ کی حالت کا نمو اور

انسانوں کی خودغرضی ومفاد پرستی کے سبب شہر میں جنگلوں کا نظارہ، یہ ایسے امور تھے جنہوں نے ان کی ذہنی تشکیل میں حصّہ لیا۔

اگر ہم اختر الایمان کی سوانح حیات اوران کے معاشرے کوسامنے رکھیں تو ان کی تخلیقی شخصیت کے بہت سارے محرّکات ازخود واضح ہوجاتے ہیں۔ان کی سوانح حیات پر پچھلے صفحات میں خاصی تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے یہاں ان کے عہد پہ نگاہ ڈالی جائے۔ یہ کم وبیش وہی عہد ہے جوفیض احمد فیضؔ اور بعض دوسرے ترقی پسند شاعروں کا ہے۔پہلی جنگ عظیم کے اثرات سماج کے وسیلے سے شعروادب پہ مرتب ہوئے، اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے۔۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء کے دوران جوفکری انقلاب رونما ہوااور خاص طور پہ ۱۹۳۵ء کے آس پاس ترقی پسند تحریک نے جس طرح ادیبوں کومتاثر کیا اس سے سبھی واقف ہیں۔ یہ کہنا غلط ہوگا کہ اختر الایمان اس تحریک سے متاثر نہیں ہوئے۔ترقی پسند نقادتو برابراس نکتے پر زور دیتے رہے ہیں کہ اخترؔ کی شاعری اپنے کمٹ منٹ اورفکری آہنگ کے اعتبار سے خالص ترقی پسندانہ شاعری ہے مگرانجمن ترقی پسند مصنفین کے جلسوں میں وہ برابراپنی انفرادی آراء کا اظہار بھی کرتے رہے۔اس سلسلے میں انہوں نے ایک انٹرویو میں کہا ہے :

> ''ترقی پسند تحریک ایک خاص معاشی نظام کی حمایت میں وجود میں آئی۔ترقی پسند ادب اس معاشی نظام کی مناجاتیں لکھتے رہے۔ یہ چیز شاعری کے ذیل میں اکثر وبیشتر نہیں آتی۔ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں سے میرا اختلاف اسی بنیاد پر ہے۔میرا یہ کہنا ہے کہ جب آپ کوئی نظم کہتے ہیں تو بنیادی طور پر پہلے اسے نظم ہونا چاہئے اور جو شاعری کی تعریف ہوتی ہے اس تویف پر اسے پوری اترنی چاہئے۔دوسری بات یہ کہ اگر آپ ترقی پسند نہیں اور ترقی پسند تحریک کے ہم نوا بھی تو یہ قطعی ضروری نہیں کہ روس اور چین جو کچھ کہتے اور وہ نظریات (Ideology) کا اختلاف نہیں ہے بلکہ آپ اسے زاویۂ نگاہ (View point) کا اختلاف کہہ سکتے ہیں۔''

اس اقتباس کی روشنی میں نہ صرف ترقی پسند تحریک سے اختر الایمان کے اشتراک اوراختلاف کے مختلف پہلو واضح ہوجاتے ہیں بلکہ ان کی ذہنی تشکیل کے متعلق پہلوؤں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ذہنی ساخت کبھی روایتی نہیں رہی اور ان کے لیے روایتی شاعری سے رشتہ جوڑنا بھی ممکن نہیں رہا۔

اس طرح اختر الایمان کی ذہنی تشکیل کے سلسلے میں تین اہم نکات ایسے ہیں جن کی طرف ناقدین برابر اشارہ کرتے رہے ہیں۔ایک تو معاملہ Initiation کا ہے جسے ایک نفسیاتی اصطلاح کے طور پر نہ بھی سمجھا جائے تب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی فرد کی ابتدائی زندگی میں بعض مخصوص حالات کے سبب ایک ذہنی سانچہ تیار ہوتا ہے اوراس سانچے میں بعد کی زندگی مستقل

ڈھلتی رہتی ہے۔ اختر الایمان کی ابتدائی زندگی میں ذہن کا جو سانچہ تیار ہوا ہے وہ خود ان ہی کے مطابق ان کی یادوں کا ایک مستقل حصہ بن گیا ہے اور ابتدائی زندگی کے نقوش اتنے تیز ہیں کہ جیسے جیسے وہ بلوغت کی منزلیں طے کرتے رہے ہیں ان کے اثرات گہرے ہوتے گئے ہیں اس طرح وہ حادثات وواقعات ایک یاد کی شکل میں یا وقت کی صورت میں ان کی نظموں کا حصّہ بنتے رہے ہیں۔ ذہنی تشکیل کی دوسری منزل میرے خیال میں وہ ہے جب وہ قومی منظرنامے پر نگاہ ڈالتے ہیں اور اپنے بالغ شعور کی رہنمائی میں اس دنیا کو دیکھتے ہیں جو ان کے روبرو ہے۔ یہ دنیا سرمایہ کاری کی لفتوں جنگ عظیم کی مصیبتون اور جنگ آزادی کی صعوبتون کے علاوہ اور بھی کئی مناظر کی پروردہ ہے۔ یہ سارے مناظر کچھ خاص اثرات کو جنم دیتے ہیں جو اپنی مختلف جہتوں کے ساتھ جن میں فنکار کا ردعمل بھی شامل ہے، اس کی شاعری کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اس مرحلے سے آگے بڑھ کر وہ بین الاقوامی منظرنامے پر بھی نگاہ ڈالتے ہیں۔ یہاں بھی حالات کچھ بہتر نہیں ہیں۔ عام انسانی قدروں کا زوال، تخریب کے سامانوں کی گرم بازاری اور کشت وخون کی ارزانی وغیرہ بھی ان کے سامنے ایک سوالیہ نشان کی صورت میں ابھرتی ہیں اور حال سے مایوسی وبےزاری کا جذبہ بیدار کر کے ماضی کی طرف لے جاتی ہیں۔ اس طرح ''ماضی کی بازیافت'' کا وہ مرحلہ سامنے آتا ہے جسے ان کی نظموں کا ایک خاص انگ قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں اس نکتے کی وضاحت ضروری ہے کہ ماضی کی طرف لوٹنے کا یہ عمل دراصل مریضانہ نہیں تعمیری ہے۔ وہ معصومتی جو مثبت فکر سے پیدا ہوئی ہے، ان کا نصب العین ہے اور یہی ان کی نظموں کا پس منظر مرتب کرتی ہے۔ دوسری طرف حال یہ ہے کہ نہ صرف عالمی سطح پر بلکہ ملک کی سطح پر بھی مذہب، بیوروکریسی اور سیاست سب کا کھوکھلا پن ان کے سامنے ہے۔ ایسے میں ان کے ذہن کی تشکیل میں یہ مطالعے اور ان کے نتائج بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

حرف آخر کے طور پہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ نہ صرف موضوعات کی سطح پر بلکہ ڈکشن کی سطح پر بھی اختر الایمان کی شاعری روایت سے انحراف کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ ان کے ذہن نے روایت سے استفادہ کیا ہے، اس کا احترام بھی کیا ہے مگر اسے نشانِ راہ سمجھنے کی غلطی نہیں کی۔ بلکہ انہیں تو یہ بات کھٹکتی رہیت ہے کہ ہماری زندگی کے نئے اور پرانے، سہل اور پیچیدہ مسائل ہمارے شاعروں کے یہاں پیش کیوں نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ شاید غزل کا وہ رومانی ربودگی سے بھرپور مزاج ہے، یہ سوچ کر ہی اختر غزل گوئی سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اپنے لئے مربوط انداز میں باتیں کرتے ہوئے نظم کا پیراۂ اظہار اکتیار کرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ جس شخصیت میں Rag سے اٹھ کر ایک عظیم دنیا تعمیر کرنے کی صلاحیت ہو، جس کا نقطۂ نظر ہی روایت شکنی پر مبنی ہو اور جو آزادانہ غور وفکر پہ زور دیتی ہو وہ عمومیت کو کیسے اختیار کر سکتی ہے۔ یہی حال اختر الایمان کی شخصیت کا ہے جو ظاہر ہے ایک مخصوص ذہنی تشکیل کے زیر اثر ترتیب پاتی ہے۔

اختر الایمان کی نظم نگاری کے امتیازات

اختر الایمان کی ذہنی تشکیل کے حوالے سے ان کی نظم نگاری سے متعلق جو باتیں کہ جاتی رہی ہیں ان کا زیادہ تر تعلق ان کی نظموں کے متن اور موضوعات سے ہے۔ یہ باتیں ان کے مجموعہ کلام ''یادیں'' کے حوالے سے بھی درست کہی جاسکتی ہیں۔ نظموں کے اس مجموعے میں ''گرداب'' سے لے کر ''آب جو'' تک کی ساری نظمیں یکجا کردی گئی ہیں جن کا مطالعہ بہ آسانی یہ احساس دلاتا ہے کہ اس میں اختر کے انفرادی ذہن تمامتر نقوش موجود ہیں۔ انہوں نے مجموعے کی ابتدا میں خود بھی اپنی شخصیت اور شاعری کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ''ماضی کی بازیافت'' ''ذہن کی ابتدائی تشکیل وتعمیر'' انسانی دردمندی، مطالعۂ حیات، وقت کے جبر، وغیرہ کے حوالے سے ان کی شاعری کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا رہا ہے اس کی مثالیں ''یادیں'' کی نظموں میں بھی تلاش کی جاسکتی ہیں۔ یہاں ان امور کی تکرار ضروری نہیں مگر نظم نگاری کے فنّی تقاضوں کے اعتبار سے ان کی نظم نگاری کے امتیازات کی تلاش لازمی ہے۔ تب ہی اردو شاعری میں ان کے انفرادی مقام کا یقین ممکن ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے لفظوں کے تخلیقی استعمال کی بات سامنے آتی ہے۔ ان کی نظموں کا مطالعہ بیک نظر یہ احساس دلاتا ہے کہ ان کی اکثر نظموں میں سامنے کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں چمکیلے، بھڑکیلے اور دوراز کار الفاظ سے گریز اور اضافتوں سے کنارہ کشی ان کے فن کی شناخت ہے۔ یہاں مثال کے طور پر مجموعہ کلام ''یادیں'' کی نظم ''تفئ صبح'' کی یہ سطریں ملاحظہ ہوں :

کالے ساگر کی موجوں میں ڈوب گئیں دھندلی آشائیں
جلنے دو یہ دئے پرانے خود ہی ٹھنڈے ہوجائیں گے
بہر جائیں گے آنسو بن کر، روتے روتے سوجائیں گے
اندھے سایوں میں پلتے ہیں مبہم سے غمگین افسانے
دکھ کی اک دیوار سے آکر، ٹکرا جاتے ہیں پروانے
دود فردہ کی انگڑائی لے بن بن کر ٹوٹ رہی ہے
سرخ زباں کی نازک لو پر جاگ رہی ہے ایک کہانی

اس پوری نظم میں ''دودفردہ'' کو چھوڑ کر اور کوئی ترکیب نہیں ہے۔ باقی تمام سامنے کے الفاظ ہیں مثلاً کالا ساگر، دھندلی آشائیں، پرانے دئے، آنسو، اندھے سایے، دکھ کی دیوار، ٹوٹے پھوٹے جام، سورج، بستی اور ''غم'' وغیرہ۔ نظم میں معنی کی ایک

ظاہری سطح بھی موجود ہے مگر غور کیجئے تو سارے الفاظ ایک تخلیقی عمل سے ہم کنار ہو کر ایک نئی شاعرانہ فضا تخلیق کرتے ہیں جو خوشگوار بھی ہے اور لطیف بھی۔ ڈاکٹر شمشاد جہان نے اس نظم کا تجزیہ کرتے ہوئے درست لکھا ہے کہ:

> جلنے دو یہ دیے پرانے، دراصل قدیم روایات کا مفہوم لئے ہوئے ہے۔ کود ہی ٹھنڈے ہو جائیں گے سے مراد پرانی زندگی کا خاتمہ ہے۔ اندھے سائے پھر Transferred Epithet کا استعمال ہے۔ دکھ کی دیوار Metanomy ہے۔..... لو پر کہانی کا جاگنا استعاراتی بیان ہے کیوں کہ لو پر کہانی جاگی نہیں ہے۔ ساقی کی مجبور جوانی، دھوپ، نئی صبح ان اشاروں کی مدد سے اب پوری نظم کو دیکھئے تو مفہوم کا اندازہ ہو جاتا ہے یعنی اس آفات و بلا کی زندگی کا خاتمہ ہونا ہے۔ غم وا اندوہ کی کہانی اب بہت طویل ہو چکی ہے۔ زندگی کا دکھ درد اب آخری مرحلے میں ہے۔ اس لئے کہ اس دکھ میں اب اضافہ ممکن نہیں۔ افسردگی کا قصہ اب پاک ہی ہونے والا ہے۔ بوسیدہ روایتیں دم توڑنے والی ہیں اور ایک نئی صبح کا ظہور لازمی ہے۔ محسوس کیا جا سکتا ہے کہ صرف ایک جگہ فارسی ترکیب استعمال کی گئی ہے۔ دود فسردہ بھی اجافت کے ساتھ ایک استثنائی مثال ہے اور میرے خیال میں یہ ترکیب پوری نظم کے آہنگ سے مطابقت بھی نہیں رکھتی۔ کہا جا سکتا ہے کہ اختر الایمان نے اپنی قوت تخلیق سے روزمرہ کے الفاظ میں شاعرانہ کیف پیدا کرنے کا ایسا گر سیکھا ہے کہ شاید و باید کہیں ملتا ہے۔''

جو باتیں اس اقتباس میں صرف ایک نظم کے حوالے سے کہی گئی ہیں وہ دوسری نظموں پر بھی صادق آتی ہیں۔ سامنے کے لفظوں کو نئی معنویت دے کر ایک تازہ جہانِ معنی آباد کر دینا واقعی فنکاری کی دلیل ہے۔ اب ایک دوسرے امتیاز کی طرف توجہ کی جائے جس کا تعلق لفظوں کے غیر معمولی استعمال سے ہے۔ اس سچائی کے باوجود کہ اختر الایمان نے اپنی اکثر نظموں میں اضافت سے گریز کیا ہے اور استعارہ سازی کی زیادہ کوشش نہیں کی یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ ان کی بعض نظمیں کلّی طور پر استعارہ کی شکل میں ابھرتی ہیں۔ مثال کے طور پہ ''بنت لمحات'' کی نظم ''بازآمد۔ ایک منتاج'' اور ''دو پربت'' کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ایک نظم اگر ستتر سطروں کی ہے تو دوسری ساتھ آٹھ سطروں کی مگر دونوں میں بلاغت کے امولوں سے قطع نظر مصرعوں میں تشبیہ و استعارہ لانے کے بدلے پوری نظم کو ایک استعارہ بنا دینے کی صورت ملتی ہے۔ خود اختر الایمان نے اپنی نظموں کی اس کیفیت کو علامیہ کہا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ جو نظم استعارہ بنتی ہے وہ کبھی تو سامنے کے مفہوم پیش کرتی ہے اور کبھی دور از کار۔

اختر الایمان کی نظم نگاری کا تیسرا امتیاز نظموں کی عضویاتی تکمیل سے عبارت ہے۔ اردو کی اکثر نظموں پر یہ اعتراض ہوتا رہا ہے کہ غزل گوئی کی مقبولیت اور کثرت کے سبب ہمارے شاعروں کا ایک خاص مزاج بن گیا ہے اور ان کی نظموں میں ربط وتسلسل کی جگہ غزل کی طرح بے ربطی اور انتشار ہوتا ہے۔ کلیم الدین احمد نے اسے اردو نظموں کی عام کمی قرار دیا ہے اور خود اختر الایمان بی اردو نظم نگاری کی اس خامی سے بڑی حد تک واقف معلوم دیتے ہیں۔ یہ بیان دیکھئے :

''نظم پہلے بھی موجود تھی مگر میرے خیال کے مطابق وہ نظم صحیح معنوں میں نظم نہیں تھی۔ نظم کسی خیال تصور، احساس یا موضوع کو اس انداز میں بیان کرنے کا نام ہے کہ اس مین حشو وزوائد نہ ہوں۔ پوری نظم میں کوئی ایسا حصہ نہ ہو جسے اگر نکال کر پھینک دیا جائے تو نظم کے مفہوم پر کوئی اثر نہ پڑے یا کسی قسم کی کمی کا احساس نہ ہو۔ اس شرط پر بیشتر پرانی نظمیں پوری نہیں اترتیں۔ وہ نظمیں اپنے موضوع اور عنوان کے اعتبار سے ضرور نظمیں ہیں مگر دراصل وہ مسلسل غزلیں ہیں۔''

ظاہر ہے کہ خامی کے اس احساس کے بعد اسے دور کرنے کی طرف متوجہ ہونا لازمی ہے۔ اختالایمان اس پہلو پر توجہ دیتے ہیں اور نظموں کو زینہ بہ زینہ اس طرح آگے بڑھاتے ہیں کہ ایک سطر نہ صرف دوسری سطر سے مربوط رہتی ہے بلکہ اس ارتقائے خیال مین معاون ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ نظم ایک فطری نقطۂ عروج تک پہنچاتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔ اردو کے اکثر ناقدوں نے اختر الایمان کی نظموں میں Run on lines کے اس تصور کی حیرت انگیز طور پہ موجودگی کا اعتراف کیا ہے۔ پروفیسر نظر عباس نقوی نے اس طرح کی نظموں کو ایک اچھے افسانے سے تشبیہ دیتے ہوئے اختر کے یہاں ان کی موجودگی کی توثیق کی ہے جب کہ پروفیسر عنوان چشتی بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی نظمیں ہئیت کے نامیاتی تصور پر پوری اترتی ہیں۔ گویا تمام مصرع مل کر نظم کی تکمیل کرنے میں اور کسی مصرع کو حذف کرنا ممکن نہیں ہوتا بلکہ تمام سطریں ایک دوسرے میں مدغم ہوتی چلی جاتی ہیں۔

اختر الایمان کی نظم نگاری کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ ان کی اکثر نظموں میں ایک خوبصورت صوتی آہنگ ملتا ہے۔ یہ صورت دراصل مناسب اور موزوں الفاظ تناسب اور توازن سے پیدا ہوتی ہے اور مصرعوں کے دروبست سے بی۔ اکثر ناقدون نے اس سلسلے میں اختر کی مہارت کا اعتراف کیا ہے۔ یہاں صرف ایک سائے نقل کرتا ہوں۔ منظر عباس نقوی لکھتے ہیں :

''اختر الایمان کے اسلوب کی تیسری خصوصیت ان کی نظموں کا صوتی آہنگ ہے.... کوئی بھی صنف سخن ہو، چاہے آپ اسے پابند نظم کہیں یا آزاد نظم معرّیٰ کہیں یا نثری نظم، اس میں صوتی آہنگ کی اہمیت بہر طور برقرار رہے گی ..... اختر الایمان نے اپنی مختلف نظموں کے لیے ارکان کی ترتیب وتکرار سے جو پیٹرن

(Pattern) بنائے ہیں ان سے ان نظموں کے صوتی آہنگ میں بڑی دل آویزی پیدا ہوگئی ہے''۔

یہاں اس نکتے پر روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختر الایمان کے مخصوص آہنگ کا موسیقی سے بھی کچھ نہ کچھ ربط ہے۔ایک سحر انگیز عنائیت پیدا کرنے کے لیے وہ کبھی تو روایتی استعاروں اور تشبیہوں کی ایک دنیا آباد کرتے ہیں اور کبھی پیچ کی طرح حسّی متبادلات (Transferred Epithets) کا سہارا لیتے ہیں۔اس طرح وہ طرح طرح کے حسّی پیکر ابھارتے ہیں جن میں بقول عقیل احمد صدیقی وہی دھندلکا اور ابہام ہوتا ہے جو فیضؔ کے حسّی پیکروں کی خصوصیت ہے۔رفتہ رفتہ بعد کی نظموں میں یہ کیفیت کم ہوتی جاتی ہے تو وہ مقررہ پیٹرن سے الگ ہو کر نئے Patterns تراشتے ہیں۔سعرعوں کو چھوٹا بڑا کرتے ہیں یا ان کی تعداد کو گھٹاتے بڑھاتے ہوئے یا قوافی و ردیف کی پابندی سے آزاد ہوتے ہوئے اپنی نظموں میں موسیقیت عنائیت اور دلاویزی پیدا کرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ اس کوشش کے سبب ان کی نظموں میں مختلف طرح کے ہیتی تجربے بھی ملتے ہیں اور یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی نظموں میں پابند نظموں کے بعض پہلوؤں کو برتنے کے باوجود آزاد نظموں کی طرف بھی مائل رہے ہیں۔

اختر الایمان کی نظم نگاری کے فنّی امتیازات کی یہ گفتگو دو نکات کا اعتراف کئے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ایک تو یہ کہ انہوں نے اظہار خیال کی ضرورتیات اور نظم کی نغمگی کا لحاظ کرتے ہوئے بعج مخصوص بحروں مثلاً بحر متعارب اور بحر امل یا ان کے زحافات سے کام لیا ہے۔اور دوسرے یہ کہ حسب ضرورت ہندی چھندوں اور بحروں کے استعمال سے بھی گریز نہیں کیا ہے۔ یہاں صرف دو مثالیں پیش کتا ہوں :

(۱)

آپ ہی اپنا روپ سنوارے، آپ ہی جان سے جائے
آپ ہی اپنے پیچھے بھاگے آپ ہی ہاتھ نہ آئے
آپ ہی اپنے رنگ سے کھیلے آپ ہی پھر شرمائے
آپ ہی اپنا بھید بتا کر پھر پیچھے پچھتائے

(سرسی چھند)

(۲)

پھر میں کام میں لگ جاؤ گا۔ آخر حق ہے پیار کریں

ناگن سی بل کھاتی اٹھ اور میری گود میں آن مچل
میں تیرے شعلوں سے کھیلوں تو بھی میری آگ سے کھیل
میں بھی تیری نیند چراؤں، تو بھی میری نیندیں چھل۔

(آلہا چھند)

ان تمام مباحث کی روشنی میں اختر الایمان کے سلسلے میں چند باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ان کی شخصیت اور ذہنی رویّے کی تشکیل میں ماضی کی یادوں نے اہم کردار ادا کیا ہے اور یہ ذہنی رویہ ان کی شاعری پہ بھی اثر انداز ہوتا رہا ہے۔دوسرے یہ کہ اختر الایمان نے اپنے عہد کی نوع بہ نوع سیاسی وسماجی تبدیلیوں سے بھی اثرات قبول کئے ہیں اور ان کی شاعری اپنے کمٹ منٹ اور فکری رویے کے اعتبار سے ترقی پسند شاعری سے قریب تر ہے مگر وہ ترقی پسند تحریک سے باجابطہ طور پہ کبھی وابستہ نہیں رہے اور بعض امور میں اپنی انفرادی رائے کا اظہار کرتے رہے۔ ماضی سے قرتب ان کی شاعری کا ایک اہم پہلو رہا ہے مگر ماضی سے ان کا رشتہ مریجانہ نہیں تعمیری اور مثبت ہے۔ان کی ذہنی ساخت روایتی کبھی نہیں رہی اس لیے انہوں نے نظموں کی روایتی ہیئت اور بحروں کا احترام کرنے کے باوجود مختلف فنی تجربے کئے ہیں۔ان کے یہاں استعاروں اور تشبیہوں کا بھی استعمال ہوا ہے مگر ان کی بعض نظمیں مکمل استعارہ کی صورت میں ابھرتی ہیں۔ان کی نظموں میں احتجاج کی آواز مدھّم ہے،موسیقی،نغمگی،آراستگی اور اجتہاد زیادہ ہے۔یہی ان کی شناخت ہے۔

اختر الایمان کی چند اہم نظموں کا خصوصی مطالعہ (مجموعی کلام ''یادیں'' کے حولاے سے) :

''**ایک لڑکا**'' کو اختر الیمان کی نمائندہ نظموں میں سرفہرست رکھا جاتا ہے۔اکثر ناقدین نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اختر الایمانؔ کی شاعری کے تمام فکری وفنی Shades اپنی ساری دلاویزی کے ساتھ اس نظم میں موجود ہیں۔یہ بات بھی تواتر کے ساتھ کہی جاتی رہی ہے کہ اس نظم کے مرکزی کردار کی صورت مین جو معصوم لڑکا سامنے آتا ہے وہ کوئی اور نہیں بلکہ خود اختر الایمان ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ بیشتر ناقدین کے بیانات کو دشاعر کے اس بیان کی بازگشت ہیں جو ان کے مجموعہ کلام ''یادیں'' کے دیباچے میں سامنے آیا ہے۔اس بیان کا ایک مختصر سا حصہ یہاں درج کرنا مناسب ہوگا :

''نظم ایک لڑکا پہلی بار میں نے موضوع کے طور پر محسوس نہیں کی تھی۔تصویر کی شکل میں دیکھی تھی۔ مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے اور یہ واقعہ ہی اس نظم کا محرک ہے۔ہم ایک گاؤں سے منتقل ہوکر دوسرے گاؤں جارہے تھے۔اس وقت میری عمر تین چار سال کی ہوگی..... میں اس گاڑی میں بیٹھ کر آگے چلا گیا مگر وہ لڑکا

وہیں کھڑا رہ گیا..... پھر ایک بار میرے ذہن مین خیال آیا کہ میں ایک نظم کہوں جس میں اپنا نام استعمال کروں۔ بظاہر یہ لڑکا اور اپنے نام والا احساس دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں مگر دراصل ایک ہیں۔ وہ لڑکا جس کی تصویر کبھی میرے ذہن مین تھی اس کا نام اختر الایمان ہے..... اکتر الایمان کی شخصیت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ایک یہ لڑکا جو معصوم تھا اور دوسرا وہ جس نے دنیا کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا تھا۔''

یہی وہ بیان ہے جس کی روشنی میں عام طور سے اس نظم پر تبصرے کئے گئے ہیں مگر تھوڑی سی توجہ کے ساتھ نظم کا مطالعہ کیا جائے تو احساس ہوجاتا ہے کہ یہ نظم صرف اختر الایمان کی آپ بیتی نہیں ہے۔ یہاں دو مختلف کرداروں کو بظاہر اس طرح ابھارا گیا ہے کہ ان میں سے ایک شاعر کا ماضی اور دوسرا اس کا حال بن کر سامنے آتا ہے۔اس طرح کہ حال کی نمائندگی کرتا ہوا کردار ''ماضی کی بازیافت'' کے عمل سے گزرنا چاہتا ہے اور اس خواہش کا اظہار اس لڑکے کی صورت میں ہوتا ہے جو اس سے بار بار یہ سوال کرتا ہے کہ ''اختر الایمان تم ہی ہو؟''۔اس صورت حال کو ایک نئی جہت دیتے ہوئے پروفیسر عنوان چشتی نے لکھا ہے کہ وہ پختہ کار انسان دراصل اختر الایمان کا خارجی روپ ہے اور وہ لڑکا ان کا باطن یا بہ الفاظ دیگر ضمیر۔ظاہر ہے کہ حال کی آلودگیوں سے تمامتر سمجھوتے کے باوجود شاعر کا ضمیر زندہ ہے جو اس سے بار بار ایک سوال کرکے اسے جھنجھوڑتا رہتا ہے۔مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ پوری نظم ایک وسیع تر تناظر میں دیکھی جائے تو ایک پوری نسل کے المیے کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ وہ نسل جس کا ماضی بے ریا تھا۔سادہ اور معصوم تھا،مگر حال بے حد آلودہ ہے چونکہ اسے قدم قدم پر سمجھوتہ کرنا پڑا ہے۔اس کے باوجود اس کا ماضی اس کے لیے پرکشش ہے اور یہ نئی نسل بھی بار بار یہ اعتراف کرنے کے باوجود کہ وہ ماضی کو دفن کرچکی ہے،اس کی روایتوں سے ناطہ توڑ چکی ہے بالآخر اپنے اندر کی اس آواز کو سننے پر مجبور ہوجاتی ہے کہ :

یہ کذب وافترا ہے،جھوٹ ہے،دیکھو میں زندہ ہوں

اس پس منظر میں نظم کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ نظم یادوں کے ایک سلسلے سے شروع ہوتی ہے۔اس ماضی کی یادوں سے جو معصوم بھی ہے اور شاعر کے لیے دلفریب بھی۔ پھر یہ نظم عہد حاضر کے Compromises کو پیش کرتی ہے۔ یہ سمجھوتے وقت کی جبریت کا اشاریہ ہیں جو اختر الایمان کی نظم نگاری کا اہم حصّہ ہے۔ تیسری سطح پر نظم اس حقیقت کے اظہار کا وسیلہ بن جاتی ہے کہ جن لوگوں نے ماضی سے اپنا رشتہ توڑ کر،ضمیر کی آواز سے مہنہ موڑ کر زمانے کی آلودگی سے سمجھوتے کئے ہیں وہ بھی نہ صرف ذہنی اور جذباتی کرب میں مبتلا ہیں بلکہ وقت کے بہاؤ مین بہتے ہوئے زندگی کی طرح گزارتے ہوئے آج بھی ماضی کی بازیافت کے خواہاں ہیں۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہی وہ پہلو ہیں جن سے اختر الایمان کی نظم نگاری ے تانے

بانے تیار ہوتے رہے ہیں۔

اب اس نظم کے فنّی پہلوؤں کی طرف توجہ کیجئے تو سب سے پہلے اس کی مربوط تشکیل سامنے آتی ہے۔ نظم میں کل چار بند ہیں اور چاروں پوری طرح نہ صرف مرطوط ہیں بلکہ خیال کے تسلسل کو آگے بڑھاتے ہوئے بالاخر ایک نقطۂ عروج تک لے جانے میں کامیاب ہیں۔ نظم اس طرح شروع ہوتی ہے :

دیار شرق کی آبادیوں کے اونچے ٹیلوں پر
کبھی آموں کے باغوں میں کبھی کھیتوں کی گلیوں مین
کبھی جھیلوں کے پانی میں کبھی بستی کی گلیوں میں
کبھی کچھ نیم عریاں کم سنوں کی رنگ رلیوں میں
سحر دم، جھٹپٹے کے وقت، راتوں کے اندھیروں میں
کبھی میلوں میں، ناٹک ٹولیوں میں، ان کے طویروں میں

ہوا میں تیرتا خوابوں میں بادل کی طرح اڑتا
پرندوں کی طرح شاخوں مین چھپ کر جھولتا مڑتا
مجھے اک لڑکا، آوارہ منش، آزاد سیلانی
مجھے اک لڑکا جیسے تندچشموں کا رواں پانی
نظر آتا ہے، یوں لگتا ہے، جیسے یہ بلائے جاں
مرا ہمزاد ہے، ہر گام پر، ہر موڑ پر جولاں

یہ ماضی کی تصویر کشی ہے جو معصومیت سے عبارت ہے۔ جب کہ دوسرے بند مین ایک بانغ، پختہ اور آلودہ ذہن کی تصویر سامنے آتی ہے :

خدائے عزّ وجل کی نعمتوں کا معترف ہوں میں
مجھے اقرار ہے اس نے زمیں کو ایسے پھیلایا
کہ جیسے بستر کمخواب ہو، دیبا و مخمل ہو

مجھے اقرار ہے اس خیمہ افلاک کا سایہ

دونوں بندوں کے تجربات اور بیانات الگ ہیں مگر نہ صرف یہ دونوں بلکہ آنے والے دونوں بند بھی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور مسلسل معنی کی توسیع کرتے جاتے ہیں۔ بندون میں شعری آہنگ اور تخلیقی جوہر کی بھی کمی نہیں اور لطف یہ ہے کہ حال کی تمام تر دشواریوں کے باوجود شاعر نے لڑائی تو ہاری ہے مگر ہمت نہیں ہاری۔ یہ نظم ہے حد پر امید انداز میں ختم ہوتی ہے۔ جیسے جیسے نظم آگے بڑھتی گئی ہے اس کے تخلیقی اظہار نے معنی کی دنیائیں آباد کی ہیں اپنی محرومی کا شکوہ بھی ہے، زمانے کی آلودگی کا بیان بھی اور بے جمیری کے عہد میں ضمیر کے زندہ رہنے کی داستان بھی مگر آواز کہیں پھٹتی نہیں، لہجہ بلند نہیں ہوتا۔ ایک ٹھہراؤ اور خود ضبطی کی کیفیت ہے جو آخر تک موجود رہتی ہے۔ اس لیے یہ نظم اپنی فکری وفنی خوبیوں کے پیش نظر اختر الایمان کی کامیاب نظموں میں نمایاں مقام کی حامل ہے۔

''یادیں'' کا موضوع تو اس کے عنوان سے ہی ظاہر ہے۔ مگر اس میں بھی شاعر نے یادوں کی بستی سے باہر نکل کر عہد حاضر کی تلخ سچائیوں کے روبرو ہونے کی جرأت کی ہے۔ نظم میں بعض پہلو ایسے ہیں جو اختر کی نظم نگاری کا لازمی جزو رہے ہیں۔ اگر ان کی مشہور نظم ''ایک لڑکا'' بھی سامنے رہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں میں بہت سارے تجربات Common ہیں۔ اپنی زندگی کی کتاب کے اوراق، پلٹنے سے قبل وہ ایک کو بصورت بند لکھتے ہیں جس پر کلاسیکی طرز اظہار کے باوجود عصری حسیّت کے اثرات بہ آسانی تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ یہ ابتدائی بند ملاحظہ ہو :

لو وہ چاہ شب سے نکلا پچھلے پہر پیلا شہاب
ذہن نے کھولی رکتے رکھتے ماضی کی پارینہ کتاب
یادوں کے بے معنی دفتر، خوابوں کی افسردہ شہاب
سب کے سب خاموش زباں سے کہتے ہیں اے خانہ خراب
گزری بات صدی یا پل ہو، گزری بات ہے نقش برآب
یہ روداد ہے اپنے سفر کی اس آباد کرابے میں!
دیکھو ہم نے کیسے بسر کی اس آباد خرابے میں!

اس کے بعد کے بندوں میں نہ صرف ماضی کے احوال کی تفصیل سامنے آتی ہے بلکہ گزرتے ہوئے ماہ وسال کے ساتھ شاعر کے ساتھ جو کچھ بیتی ہے اس کا منظر نامہ بھی مرتب ہوتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہاں بی یہی ہے کہ دنیا کے بازار مین بہت چہل پہل ہے

مگر شاعر تنہا ہے۔ جس طرح کی زندگی وہ بسر کرنا چاہتا تھا وہ اب میسر نہیں ہے چونکہ برسوں پہلے زندگی کی بھیڑ بھاڑ میں وہ معصوم بچہ اپنے باپ کی انگلی چھوڑ کر گم ہو گیا تھا اور وہ کوئی اور نہیں اختر الایمان تھا۔ اب وہ زندہ تو ہے مگر قدم قدم پہ حالات ایک جبر کی مورت میں ابھرتے ہیں اور دنیا ایک حیرت کدے کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ ماضی سے لپٹ کر رہنا بھی آسان نہیں اور حال کی آلودگی سے سمجھوتہ کرتے ہوئے بھی ہر قدم پہ زہر کا تلخ گھونٹ پینا پڑتا ہے۔ اب اس صورت حال میں زندگی بس کسی طرح گزر رہی ہے جس کا اظہار بعد کے بندوں میں کرتے ہوئے شاعر بڑے طفزیہ واستہزائیہ انداز میں بار بار آ کری دو مصرع دہراتا ہے یعنی :

یہ روداد ہے اپنے سفر کی اس آباد خرابے میں!
دیکھو ہم نے کیسے بسر کی اس آباد خرابے میں!

ان بندوں میں زمان کے ناموفق حالات کا بھی بیان ہے، اپنی ناقدری اور شکست خوردگی کا بھی، نالائقوں کی ترقی اور ہنرمندوں کی بے عزّتی کا بھی، اپنے خوابوں کے ٹوٹ جانے کا بھی اور بالاخر بدلے ہوئے حالات کے ساتھ Adjustment اور موافقت پیدا کرے اپنے شب وروز گزارنے کا بھی مگر دو چیزیں ہر جگہ موجود ہیں، ایک تو نیم بیداری جیسی کیفیت جس سے مخصوص آہنگ پیدا ہوتا ہے اور دوسرے شاعرانہ اظہار۔

نظم فنّی اعتبار سے بے حد کامیاب ہے۔ کل تیرہ بند ہیں اور ہر بند میں سات سطریں ہیں جو ایک دوسرے سے پوری طرح مربوط ہیں۔ ایک مصرع کی ہر بند مین تکرار ہے جس سے خیال کا تسلسل قائم رہتا ہے۔ دوسری چیز جو نظم کے بندوں میں ربط پیدا کرت ہے، یادوں کا طویل سلسلہ ہے۔ گرچہ شاعر کو یادوں کے اس سلسلے کے بے معنی ہونے کا احساس ہے اور یہ احساس آخر میں اس کو یہ کہنے پر بھی مجبور کر دیتا ہے کہ :

مستقبل کی سوچ، اٹھا یہ ماضی کی پاریفہ کتاب
منزل ہے یہ ہوش وخبر کی، اس آباد خرابے میں

اس کے باوجود نظم کا مجموعی تاثر یہی ہے کہ شاعر یادوں کے حصار سے باہر نکلنے پہ تیار نہیں ہے اور وقت کی جبریت کے آگے بہ حالت مجبوری سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ یہاں بھی استعارون کا رنگ وہی ہے جو ''ایک لڑکا'' میں ہے۔ دونوں نظموں کا آہنگ اور لب ولہجہ بھی ملتا جلتا ہے۔ فرق بس یہ ہے کہ وہاں شاعر نے ماضی کی بازیافت پہ اصرار کیا تھا جب کہ یہاں وہ ماضی کی یادوں سے دانستہ طور پہ الگ ہونا چاہتا ہے چونکہ یہی وقت کا تقاضہ ہے۔ بہرحال یہ نظم بھی اختر الایمان کی اچھی نظموں میں شمار کی جاسکتی

2.9 مزید مطالعہ کے لیے کتابیں :

(۱) اختر الایمان مقام اور کلام ۔ ڈاکٹر محمد فیروز، دہلی ۱۹۹۷ء

(۲) اختر الایمان عکس اور جہتیں ۔ شاہد ماہلی، دہلی ۲۰۰۰ء

(۳) اختر الایمان تفہیم و تشخّص ۔ ڈاکٹر خواجہ نسیم اختر، کلکتہ ۲۰۰۳ء

(۴) اختر الایمان کی نظم نگاری ۔ ڈاکٹر شمشاد جہاں، دہلی ۲۰۰۶ء

(۵) اردو میں نظم معرّا اور آزاد نظم ۔ ڈاکٹر حنیف کیفی، دہلی ۱۹۷۵ء

(۶) اسلوبیاتی مطالعے ۔ پروفیسر منظر عباس نقوی، علی گڑھ ۱۹۸۹ء

(۷) اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے ۔ پروفیسر عنوان چشتی، دہلی ۱۹۷۵ء

(۸) جدید اردو نظم : نظریہ و عمل ۔ عقیل احمد صدیقی، علی گڑھ ۱۹۹۰ء

(۹) حرف برہنہ ۔ پروفیسر عنوان چشتی، دہلی ۱۹۸۹ء

(۱۰) یادیں (مجموعۂ کلام) ۔ اختر الایمان، دہلی ۱۹۶۳ء (دوسرا اڈیشن)